﴿قسط سوم﴾

مذہب غیر پر فتویٰ اورعمل
شرعی نقطہ نظر سے

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری
رئیس دارالافتاء مدرسہ شاہی مراد آباد انڈیا

زیر نظر مقالہ (بعنوان مذہب غیر پر فتویٰ اورعمل) کی قسط سوم ملاحظہ کر رہے ہو۔ مقالہ ھذا ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علمائے ہند کے چوتھے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۷، ۱۸ جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۴، ۲۵ اکتوبر ۹۴ء بمقام (دیوبند) پیش کیا گیا تھا مذکورہ مقالہ ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے جاری کردہ سوالنامہ کا تحقیقی جواب ہے جو مولانا مفتی محمد سلیمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ اوران کے رفقاء افتاء نے انتہائی عرق ریزی سے ایک نایاب علمی تحقیق مرتب کی ہے اس مقالہ میں اپنے موضوع سے اصولی معلومات جمع کی گئی ہے جو یقیناً قارئین کے علمی معیار کو بلند کرنے میں نافع ثابت ہوں گے۔امید ہے کہ قارئین بخوبی استفادہ کریں گے۔ادارہ

نوٹ:۔قارئین حضرات متوجہ ہوں۔زیر نظر ذیلی عنوانات جو قسط سوم کی ہے غلط فہمی کی بناء پر مذکورہ ذیلی عنوانات قسط دوم (پچھلے شمارہ) میں لگادئے تھے، اس پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔

نمبر شمار	ذیلی عنوانات	نمبر شمار	ذیلی عنوانات
۱	عموم بلوی	۷	ضرورت عامہ کی بنیاد پر تبدیلی کی مثال
۲	ضرورت خاصہ	۸	عموم بلوی کی وجہ سے دوسرے مذہب پر عمل
۳	جانی مشقت میں رخصت کی مثال	۹	ضرورت خاصہ کی بنا پر مذہب سے خروج
۴	مالی مشقت میں رخصت کی مثال	۱۰	الحیلۃ الناجزہ کے مسائل
۵	عبادت کی حفاظت کیلئے رخصت کی مثال	۱۱	قصد مذموم کی نشانیاں
۶	تصویر کشی کا مسئلہ	۱۲	حواشی

عموم بلوی:

عموم بلوی بھی دراصل حاجت عامہ کا ہی ایک عنوان ہے۔اس کا اصطلاحی مطلب یہ ہے **شیوع المحظور شیوعا یعسر المکلف معه تحاشیه** (معجم الفقہاء ۳۳۲) ممنوع کا اس درجہ پھیل جانا کہ مکلف کے لئے اس سے بچنا دشوار ہوجائے

فقہ میں عموم بلویٰ بھی موجب رخصت قرار دیا گیا ہے۔علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔**المعلوم من قواعد ائمتنا التسهيل في مواضع الضرورة والبلوى العامة** (شامی ج ۱ ص ۱۸۹) ہمارے ائمہ کے قواعد سے یہ بات معلوم شدہ ہے کہ ضرورت اور عام ابتلاء کے وقت سہولت دی جاتی ہے۔لہذا معلوم ہوا کہ ضرورت بمعنی حاجت سے جو تسہیل و رخصت دیجاتی ہے اس کی دوسری بڑی وجہ عموم بلویٰ بھی ہے فقہ اسلامی کے بہت سے مسائل عموم بلویٰ پر مبنی ہے کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔(۱) اگر چمڑے کے موزہ میں ذی جرم نجاست لگ جائے تو قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جب تک اسے دھو نہ لیا جائے وہ پاک نہ ہو لیکن چونکہ اب راستوں میں گندگیوں کی کثرت ہوگئی ہے اور نجاستوں سے بچنا امر دشوار ہے لہذا امام ابو یوسفؒ نے فتویٰ دیا کہ اگر موزہ پر لگی ہوئی تر نجاست مٹی سے پونچھ لی جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو موزہ پاک سمجھا جائے گا ہدایہ میں ہے۔**وفي الرطب لايجوز حتىٰ يغسله لان المسح بالارض يكثر ولايطهره وعن ابي يوسفؒ انه اذا مسحه بالارض حتىٰ لم يبق اثر النجاسة يطهر لعموم البلوىٰ** (هدايه مع الفتح ج ۱ ص ۱۹۶) اور تر نجاست سے اس وقت تک پاکی نہ ہوگی جب تک کہ اسے نہ دھولے اس لئے کہ زمین پر لگنے سے نجاست اور پھیلے گی اور پاک نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ اگر زمین سے لگنے کی وجہ سے نجاست کا اثر بالکل زائل ہوجائے تو ابتلائے عام کی وجہ سے موزہ پاک سمجھا جائے گا۔(۲) جانوروں کے گوبر سکھا کر ایندھن کی جگہ استعمال کرتے ہیں تو اس کی راکھ کو نجس قرار نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ اس طرح روٹیاں پکانے کا اتنا رواج بعض جگہ ہے کہ اس سے احتراز دشوار ہے اور اگر راکھ کو ناپاک قرار دیں تو ساری روٹیاں ناپاک ہونے کا حکم دینا ہوگا صاحب درمختار فرماتے ہیں۔**ولايكون نجسا رماد قذر والا لزم نجاسة الخبز في سائر الامصار وفي الشامي وان الفتوىٰ على هذا القول للبلوىٰ فمفاده ان عموم البلوىٰ علة اختيار القول بالطهارة المعللة بانقلاب العين** (ایچ ایم سعید ج ۱ ص ۳۲۶) اور نجس چیز کی راکھ ناپاک نہیں ہوگی ورنہ تمام شہروں میں روٹیوں کی ناپاکی لازم آئے گی (اس لئے کہ روٹیاں پکانے میں گوبر وغیرہ کے اپلے کام آتے ہیں) شامی میں ہے کہ آج کل عموم بلویٰ کی وجہ سے فتویٰ اسی قول پر ہے اس سے پتہ چلا ہے کہ اصل میں ماہیت کے بدلنے کی بنیاد پر جس راکھ کی طہارت کے قول کو اختیار کیا گیا اس کی علت عموم بلویٰ ہے۔(۳) ٹھرے ہوئے ماء کثیر میں جب تک تغیر اوصاف نہ ہوجائے محض نجاست نظر آنے سے نجاست کا حکم نہ لگایا جائے گا اس میں بھی طہارت کا حکم عموم بلویٰ کی وجہ سے دیا گیا ہے۔علامہ شامیؒ نے فرمایا۔**والفتوىٰ على عدم التنجس مطلقا الا بالتغير بلا فرق بين المرئية وغيرها لعموم البلوىٰ** (شامی ج ۱ ص ۱۹۱) اور فتویٰ مطلقا نجس نہ ہونے پر ہے الا یہ کہ اوصاف میں تغیر آجائے اور اس میں دکھائی دینے یا نہ دینے میں کوئی فرق نہیں یہ حکم بھی عموم بلویٰ کی بنیاد پر دیا گیا ہے۔(۴) نجس برتن کے بارے میں قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ کبھی پاک ہی نہ ہو کیونکہ کچھ نہ کچھ نجس پانی کی تہہ میں باقی رہے گا جب کہ نیچے سوراخ نہ ہو۔لیکن عام حاجت اور عموم بلویٰ کی بنیاد پر استحساناً اسے پاک قرار دیا گیا ہے علامہ عبدالعزیز بخاریؒ کشف الاسرار میں لکھتے ہیں۔**وكذا الاناء لم يكن في السفلة ثقب يخرج منه الماء منه اذا جرى من اعلاه الان الماء النجس**

یجتمع فی السفلة فلا یحکم لطهارته الا انهم استحسنو ترک العمل بموجب القیاس للضرورة الیٰ ذلک لعامة الناس وللضرورة اثر فی الخطابات (کشف الاسرار ج۴ ص ۶) ترجمہ: اوراسی طرح برتن کی تہہ میں جب کہ پانی نکلنے کا سوراخ نہ ہو اگر اس کے اوپر سے پانی بہایا جائے تو اسکی طہارت کا حکم نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ نجس پانی کی تہہ میں کچھ نہ کچھ رک جائے گا مگر علماء نے استحسانا اس قیاسی حکم پر عمل ترک کر دیا ہے اس لئے کہ عام لوگوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور خطابات شارع علیہ السلام میں ضرورت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ الغرض معلوم ہوا کہ امت کو گناہ سے بچانے کے لئے بھی حکم میں تخفیف کا اصول حضرات فقہاء کے ہاں مسلم ہے۔ اسی کو علت عموم بلوٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عموم بلوٰی ضرورت بمعنی اضطرار میں داخل نہیں بلکہ ضرورت بمعنی حاجت میں اس کا شمار ہے لہذا عموم بلوٰی سے بھی صرف ظنی اور اجتہادی حرمتوں کے احکامات میں تسہیل ہوتی ہے۔ حرمت قطعی کے ارتفاع میں عموم بلوٰی مؤثر نہیں ہے اور اس کی تائید اس ارشاد نبوی سے ہوتی ہے کہ آخر زمانہ میں سود کا اس قدر شیوع ہو جائے گا کہ ہر آدمی کم از کم اس کے غبار سے تو ضرور متاثر ہوگا۔ اس ارشاد کے باوجود سود کی حرمت بدستور برقرار رہی اگر عموم بلوٰی کا لحاظ نصوص قطعیہ میں کیا جاتا تو اس شیوع کی بنا پر سود کی کھلی اجازت دے دی جاتی مگر اس امت اس معاملے پر متفق ہے کہ سودی معاملات میں کثرت کی بنا پر سود کی قطعی حرمت کو مرتفع نہیں کیا جا سکتا معلوم ہوا کہ عموم بلوٰی نصوص قطعیہ پر اثر انداز کسی درجہ میں نہیں ہے۔

ضرورت خاصہ:

شریعت میں رخصت کی تیسری بنیاد ضرورت خاصہ ہے یعنی کسی فرد واحد کو ایسی ضرورت درپیش ہو کہ رخصت نہ ہونے کی صورت میں اس کی ذات کو مشقت میں پڑنے کا اندیشہ ہو اب یہ مشقت خواہ جانی ہو خواہ مالی ہو اور خواہ طاعات وعبادات کی حفاظت کی شکل میں ہو تینوں شکلوں میں موجب رخصت بنتی ہے۔

جانی مشقت میں رخصت کی مثال:

اگر کسی شخص کو نکسیر کا مرض ہو جائے اور خاصی مشقت لاحق ہو اور اسے یہ مشورہ دیا جائے کہ خون سے اپنی پیشانی پر سورۃ فاتحہ لکھے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ فقال ولو رعف فکتب الفاتحة بالدم علی جبهته وانفه جاز للاستشفاء ج ۲ ص ۲۱۵۔ اگر نکسیر چھوٹ جائے اور خون سے سورۃ فاتحہ اپنی پیشانی اور ناک پر لکھے تو شفاء حاصل کرنے کی غرض سے یہ عمل جائز ہے

مالی مشقت میں رخصت کی مثال:

تیل وغیرہ سونے چاندی کے برتنوں میں رکھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر رکھ دیا گیا تو اب اگر یہ کہا جائے کہ اس سے نکالنا بھی جائز نہیں تو اس

سے مال کی اضاعت لازم آئے گی جو مالی مشقت ہے لہذا اجازت دی گئی کہ اس برتن سے دوسرے برتن میں پلٹ سکتے ہیں بلکہ ہاتھ میں لے کر وہاں سے استعمال بھی کر سکتے ہیں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں ان وضع الدھن مثلا فی ذلک الاناء المحرر لایجوز لانہ استعمال لہ قطعا ثم بعد وضعہ اذا ترک فیہ بلا انتفاع لزم اضاعۃ المال فلابد من تناولہ منہ ضرورۃ الخ(شامی کراچی ج ۶ ص ۳۴۲) ان تحریر شدہ برتنوں میں تیل جیسی کوئی چیز رکھنا تو جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ بھی بلاشبہ اس کا استعمال ہے لیکن رکھ دینے کے بعد اگر اس میں بغیر نفع اٹھائے چھوڑ دیا جائے تو اس سے مال کا ضائع کرنا لازم آئے گا لہذا اس برتن سے نکال کر ضرورۃ استعمال کرنا ضروری ہوگا۔

عبادت کی حفاظت کے لئے رخصت کی مثال:

اگر جان بوجھ کر نماز میں ایک چوتھائی سے زیادہ کشف عورت کر لیا تو اگر چہ تین تسبیحات کے بقدر کشف نہ رہا پھر بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی ضرورت کی بنا پر ایسا ہوا تو اس وقت تک نماز کے فساد کا حکم نہ ہوگا جب تک کہ تین تسبیحات کے بقدر کشف عورت نہ ہو یہ حکم مبتلیٰ بہ کی نماز کو فساد سے بچانے کے لئے ہے تو یہاں ضرورت خاصہ کا اثر عبادات میں رونما ہوا علامہ شامیؒ نے فتاوٰی خانیہ سے نقل کرتے ہوئے یہ فیصلہ تحریر کیا ہے۔ والاشبہ الفساد مع التعمد الالحاجۃ کرفع نعلہ لخوف الضیاع مالم تؤدِ رکنا کما فی الخلاصۃ(شامی ج ۱ ص ۴۰۸) اور فقہ سے زیادہ مشابہ بات یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسا کیا (یعنی ایک چوتھائی سے زیادہ کشف عورت کر لیا) تو نماز فاسد نہ ہوگی الا یہ کہ کوئی ضرورت ہو مثلاً ضائع ہونے کے اندیشہ سے نجس جوتا اٹھالیا (تو نماز فاسد ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ ایک رکن نہ ادا کرے یعنی اگر ایک رکن بقدر تین تسبیحات کے اسی مانع صلوۃ کے ساتھ رہا تو نماز فاسد ہو جائے گی)

ماحصل:

اس پوری بحث سے معلوم ہوا کہ حاجت جب کہ ضرورت عامہ عموم بلوٰی اور ضرورت خاصہ کی شکل میں متحقق ہو تو اس کے ذریعہ شریعت کے قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ یا ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ احکامات میں تخفیف ہو سکتی ہے البتہ اگر اضطرار کے درجہ کی ضرورت پائی جائے تو پھر قطعی حکم میں بھی تخفیف ہو جاتی ہے لہذا جب کسی مسئلہ میں ضرورت بیان کی جائے تو مفتی کو یہ غور کرنا چاہیئے کہ وہ مسئلہ قطعی ہے یا ظنیت پائی جاتی ہے اگر قطعی ہو تو اس وقت تک تخفیف کا فتوی ہرگز نہ دے جب تک کہ اضطرار کا تحقق نہ ہو جائے مثلاً سودی لین دین کی حرمت قطعی ہے (جیسا کہ آیات قرانیہ اور سخت ترین وعیدوں پر مشتمل احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے) تو سود میں ملوث ہونے کی اجازت سوائے مضطر اور مجبور ترین شخص کے کسی کو نہیں دی جا سکتی اسی بنا پر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بہت واضح الفاظ میں بعض سہولت پسندوں کے فقہی عبارت یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح سے سود کی اجازت پر استدلال کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”حرمت رباء بنص قطعی ثابت شدہ است کہ شامل محتاج

وغیر محتاج است تخصیص محتاج از انجا نمودن نسخ این حکم قطعی است روایة قنیه رتبه آن ندارد که نسخ حکم قطعی کند الخ ولوسلم صحة ہذہ الروایة پس احتیاج راباضطرار ومخمصه می باید فرود آورد تا مخصص آں حکم قطعی آیت کریمه فمن اضطر فی مخمصة الخ باشد که مثل اوست در قوة (مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۱۲۴)" رباء کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے جو محتاج وغیر محتاج دونوں کو شامل ہے محتاج کو اس حکم سے الگ کرنا ایک حکم قطعی کو منسوخ کرنے کے مترادف ہے اور قنیہ کی روایت اس درجہ کی نہیں ہے کہ وہ حکم قطعی کو منسوخ کر سکے اور اگر اس روایت قنیہ (یجوز للمحتاج) کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہاں احتیاج کو اضطرار اور مخمصہ کے معنی میں لیا جائے گا تا کہ حرمت کے قطعی حکم کے لئے مخصص آیت قطعیہ فمن اضطر الخ کو بنایا جاسکے کیونکہ یہ آیت بھی قوت کے اعتبار سے پہلی آیت کے برابر ہے۔ لہذا اضطرار سے کم درجہ میں سودی معاملہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اگر چہ مشقت شدیدہ ہی کیوں نہ ہو اور جب مشقت شدیدہ سود کے لئے موجب رخصت نہیں بن سکتی تو اس سے بھی کم درجہ کی مشقت مثلاً کاروبار میں ترقی اور صنعت کاری کے لئے سودی قرضہ لینا اور خواہ مخواہ بنک میں روپیہ جمع کر کے سود لینا بھلا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

واضح رہے:

یہاں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب حالت اضطرار میں موجب رخصت ہے تو جہاں بھی اضطرار پایا جائے وہاں ہر حکم قطعی مرتفع ہو جائے ایسی بات نہیں ہے بلکہ اضطرار سے رخصت بھی اس شرط پر موقوف ہے کہ اس رخصت کو اختیار کرنے سے کسی دوسرے ہم مثل شخص کا ایسا حق نہ مارا جارہا ہو جس کی بعد میں تلافی نہ کی جاسکے اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر چہ اکراہ کی وجہ سے اپنی جان چلے جانے کا قوی اندیشہ ہو پھر بھی دوسرے کو قتل کرنا جائز نہیں اسی طرح اپنے ہاتھ کاٹنے کے مقابلہ میں اکراہ کی صورت میں دوسرے شخص کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ دونوں طرف حق برابر ہیں اور انسانیت میں ہر فرد یکساں طور پر قابل احترام ہے۔ لہذا ایک کو دوسرے پر اعضاء یا جان تلف کر دینے میں فوقیت نہیں دی جاسکتی درمختار میں ہے **لایرخص قتله او سبه او قطع عضوه ومالایستباح بحال** (درمختار ج ۶ ص ۱۳۵) اور دوسرے کو قتل کرنے گالی دینے عضو کاٹنے اور کسی بھی ایسے عمل کو کرنے کی اجازت نہ ہوگی جو کسی بھی حال میں حلال نہیں ہوتے۔ اس اصول اور جزئیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص کے اضطرار کو ختم کرنے کے لئے دوسرے شخص کے اعضاء کو تلف کرنے یا مبتذل بنانے کی اجازت نہیں ہے اسی سے اعضاء انسانی کی پیوندکاری کا حکم بھی معلوم ہو جائے گا کہ اضطراری حالت ہونے کے باوجود دوسرے انسان کا عضو خریدنا اور اس کا استعمال کرنا بدستور حرام رہے گا کیونکہ ہر انسان کے اعضاء (جس پر اس کی ساخت کا مدار ہے) آیت قرانی "**ولقد کرمنا بنی آدم**" کی روشنی میں قابل تکریم واحترام ہیں اور ایک کا عضو دوسرے کو لگانا احترام کے خلاف ہے (جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۶) یہ تو وہ صورت ہوئی جس میں مسئلہ کا حکم قطعی ہو تو اس میں

رخصت کے لئے اضطرار کی ضرورت ہوگی لیکن اگر مسئلہ مبحوث عنہا کا حکم کسی بھی طرح ظنی ہو تو اس میں تخفیف کے لئے اضطرار ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ مشقت شدیدہ نظام میں اختلال، حقوق کا ضیاع وغیرہ صورتوں میں بھی حکم میں تخفیف کی جاسکتی ہے جیسا کہ گذشتہ مثالوں سے معلوم ہوگیا ہے۔

تصویر کشی کا مسئلہ:

فوٹو کھینچنے اور کھینچوانے کی حرمت کا مسئلہ بھی اسی بحث کی روشنی میں حل کیا جاسکتا ہے بظاہر اس کی حرمت میں دلالت یا ثبوت کے اعتبار سے ظنیت پائی جاتی ہے اس لئے کہ اس سلسلہ میں وارد احادیث مبارکہ کو درجہ شہرت میں تو یقیناً رکھا جاسکتا ہے لیکن تواتر تک پہنچنا مشکل ہے جب کہ قطعی الثبوت ہونے کے لئے درجہ تواتر ہونا لازم ہے لہذا اگر کسی جگہ تصویر کشی ضروری ہو تو محض اصطلاحی اضطرار کے وقت ہی اس کی اجازت نہ ہوگی بلکہ حاجت کو بھی اس مسئلہ میں اضطرار کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے اسی بناء پر علماء نے بدرجہ مجبوری پاسپورٹ وغیرہ بنوانے اور سفر کی ضرورت کے لئے فوٹو بنوانے کی اجازت دی ہے (جواہر الفقہ ج ۳ ص ۲۳۲)

اب غور کرنا ہے:

اس تفصیلی وضاحت کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ مذہب سے ہٹ کر دوسرا قول اختیار کرنا کس درجہ کا ناجائز ہے اور اس کا ثبوت کس دلیل سے ہے ظاہر ہے کہ مذہب بدلنے کی حرمت نہ تو نص قطعی سے ثابت ہے اور نہ حرمت لعینہ ہے بلکہ تتبع رخص اور اتباع ہوٰی سے محفوظ رکھنے کے لئے مذہب بدلنا ناجائز کہا گیا ہے اس لئے اس کی حرمت ظنی الثبوت ہوگی لہذا نہ صرف اضطرار بلکہ حاجت کے تحقق پر بھی تبدیل مذہب اور افتاء بمذہب الغیر کی اجازت ہوگی۔ بشرطیکہ اس حاجت کو اہل علماء اس درجہ کا شمار کریں کہ اسے اضطرار کے درجہ میں رکھا جاسکے چنانچہ حضرات فقہاء نے ضرورت عامہ، عموم بلوٰی اور ضرورت خاصہ ان تینوں بنیادوں پر مذہب سے عدول کرنے کی اجازت دی ہے۔

ضرورت عامہ کی بنیاد پر تبدیلی کی مثال:

پہلے زمانہ میں علوم قرانیہ کی تعلیم کے لئے جو حضرات علماء اپنے وقت کو فارغ کرتے تھے ان کے وظائف اسلامی حکومتیں بیت المال سے دیا کرتی تھیں لیکن یہ سلسلہ بند ہوا تو عام ضرورت پیش آئی کہ تعلیم وتعلم بھی جاری رہے اور علماء کی معاشی کفالت کا بھی انتظام ہو اس لئے کہ اگر علماء مفت میں پڑھائیں گے تو معاش کا مسئلہ کیسے حل ہوگا اور اگر معاش میں لگیں گے تو پڑھائی کیسے چلے گی؟ اور مشکل یہ تھی کہ مذہب احناف میں طاعات پر اجارہ مطلقا ناجائز ہے جس میں تعلیم قران بھی شامل ہے بریں بناء متاخرین نے عام ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ضیاع دین کے اندیشہ سے اس سلسلہ میں سوالک وشوافع کے مسلک کو اختیار کیا اور تعلیم قران کی اجرت جائز ہونے کا فیصلہ فرمادیا۔ علامہ شامی نقل فرماتے ہیں۔ **ومن خلاصة الفتاوٰی ناقلا عن الاصل لایجوز الاستئجار عن الطاعات**

کتعلیم القران والفقه والاذان والتذکیر والحج والغزو یعنی لا یجب الاجر وعند اهل المدینة یجوز وبه اخذ الشافعی ونصیر وعصام وابو نصر الفقیه وابو اللیث رحمهم الله تعالیٰ الشفاء العلیل وبل الغلیل الخ(دررسائل ابن عابدین ج ا ص ۱۵۴) اورخلاصۃ الفتاوٰی میں مبسوط سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ طاعات یعنی تعلیم قران،تعلیم فقہ، اذان، وعظ، حج اور جہاد وغیرہ پر کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں ہے۔یعنی اجرت ہی واجب نہیں ہوتی اور اہل مدینہ کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے اور اسی قول کو امام شافعیؒ نصر بن یحیٰ عصام بن یوسفؒ ابونصر فقیہؒ اور ابواللیث نے اختیار کیا ہے۔''اس کے بعد آگے چل کر امام زیلعیؒ سے نقل کرتے ہیں۔والفتوی الیوم علی جواز الاستئجار لتعلیم القران وهو مذهب المتاخرین من مشائخ بلخ استحسنو ذلک وقالو ابنی اصحابنا المتقدمون الجواب علیٰ ما شاهد وا من قلة الحفظة ورغبة الناس فیهم وکان لهم عطیات فی بیت المال الخ واما الیوم فذهب ذلک کله واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقل ما یعلم حسبة ولا یتفرعون له ایضا فان حاجتهم تمنعهم من ذلک فلو لم یفتح لهم باب التعلیم بالاجر لذهب القران الخ (حواله بالا ج ا ص ۱۶۱) اورآج کل فتوی تعلیم قران پر اجرت کے جواز کا ہے اور یہ مشائخ بلخ میں سے متاخرین کا قول ہے اور انہوں نے یہ قول استحسانا کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ مشائخ متقدمین نے اپنے زمانہ کے مشاہدہ پر جواب کی بنیاد کی تھی اس لئے کہ حفاظ کم تھے اور لوگ ان کی طرف راغب زیادہ تھے اور ان کے عطیات بیت المال سے مقرر تھے الخ لیکن اب یہ سب باتیں خواب وخیال ہوگئیں اب حفاظ کرام معاش میں مشغول ہو گئے اور بہت کم لوگ حسبۃ للہ تعلیم دینے والے رہ گئے اور وہ وقت بھی نہیں نکال پاتے کیونکہ ان کی ضروریات اس سے مانع رہتی ہیں تو اب اگر اجرت دے کر تعلیم کا دروازہ نہ کھولا گیا تو قرآن کریم کی تعلیم ضائع ہونے کا اندیشہ ہے(لہٰذا اب اجرت کے جواز کا فتوی دینا ہوگا)تو معلوم ہوا کہ حاجت عامہ کی بنیاد پر اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ مسئلہ بالا میں متاخرین احناف نے عمل کیا اور اس بنیاد پر مذہب غیر کو اختیار کرنا قصد محمود کی نشانی ہوگا۔

عموم بلوی کی وجہ سے دوسرے مذہب پر عمل:

اگر باغ کی فصل اس وقت بیچی جائے جب کہ کچھ پھل نکلے ہوں اور کچھ نہ نکلے ہوں اور پھل پکنے تک چھوڑے رکھنے کا عرف عام ہوجائے تو اگرچہ ائمہ احناف کے ضابطہ کے مطابق یہ معاملہ ناجائز ہے لیکن عموم بلوی کی بنا پر شمس الائمہ حلوانیؒ نے جواز کا فتوی دیا ہے اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۱۸)اس اعتبار سے یہ بر بناء عموم بلوی خروج عن المذہب کی مثال بن سکتی ہے۔علامہ شامیؒ اس مسئلہ میں ضرورت اور حاجت ثابت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔قلت لکن لایخفی تحقق الضرورة فی زماننا ولا سیما من مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل علیٰ الناس لایمکن الزامهم بالتخلص باحد الطرق المذکورة وان امکن ذلک بالنسبة الیٰ بعض افراد الناس لایمکن بالنسبة الیٰ عامتهم

وفی نزعهم عن عادتهم حرج کما علمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی هذه البلدان اذ لاتباع الاکذلک والنبی ﷺ انما رخص فی السلم للضرورة مع انه بیع المعدوم فحیث تحققت الضرورة هنا ایضا یمکن الحاقه بالسلم بطریق الدلالة فلم یکن معارضا للنص فلذا جعلوه من الاستحسان لان القیاس عدم الجواز وظاهر کلام الفتح المیل الیٰ الجواز ولذا اورد الروایة عن محمد بل تقدم ان الحلوانی رواه عن اصحابنا وما ضاق الامر الاتسع ولا یخفیٰ ان هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الروایة (شامی ج۴ ص ۵۵۶) میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں ضرورت کا تحقق مخفی نہیں ہے خاص کر شام کے دمشق کے علاقہ میں جہاں پھلوں اور باغات کی کثرت ہے اس لئے کہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے انہیں کسی شرعی طریقہ کے ذریعے معاملہ کرنے کا پابند نہیں بنایا جا سکتا اور اگر چند افراد ان پابندیوں پر عمل کر لیں تو عام لوگ ہرگز اس کے پابند نہیں رہ سکتے اور ان کی عادت چھڑانا بہت تنگی کا باعث ہے اور اس کے نتیجہ میں ان شہروں میں پھلوں کا کھانا بالکل حرام قرار دینا پڑے گا اس لئے کہ ان کے علاوہ پھل وہاں بازار میں بیچے ہی نہیں جاتے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ضرورت کی بناء پر بیع سلم کی رخصت عنایت فرمائی حالانکہ وہ معدوم شئی کی بیع ہے تو جب یہاں بھی ضرورت متحقق ہے تو اسے بھی بیع سلم کے حکم کے ساتھ ملحق کرنا دلالۃً ممکن ہے اس اعتبار سے یہ بیع نص کے معارض نہ ہوگی اسی بناپر جواز کے حکم کو علماء نے استحسان میں شمار کیا ہے کیونکہ قیاس تو عدم جواز کا متقاضی ہے اور فتح القدیر کے ظاہر کلام سے بھی جواز کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے صاحب فتح القدیر نے امام محمدؒ سے اس بارے میں روایت نقل کی ہے بلکہ پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ شمس الائمہ حلوانیؒ نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ جب بھی معاملہ تنگی میں پڑ جاتا ہے تو اسے کشادہ کیا جاتا ہے اور یقیناً اس اصول سے زیر بحث مسئلہ میں ظاہر الروایۃ سے عدول کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک فتوی سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ عرف عام ہونے کی صورت میں عموم بلوی کی بناپر مذکورہ معاملہ درست ہے (دیکھئے امداد الفتاوی ج۳ ص۹۶) اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس طرح کی ضرورت پیش آنے کی بناپر مذہب کو ترک کیا جائے تو وہ بھی قصد محمود پر محمول ہوگا۔

ضرورت خاصہ کی بناپر مذہب سے خروج:

خاص اور انفرادی حاجتوں کی بناپر حضرات فقہاء تقریباً ہر زمانہ میں مذہب غیر پر فتوی دیتے رہے ہیں اس سلسلہ کی بعض مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں (عورت ممتدہ الطہر یعنی جسے بلوغ کے بعد تین دن حیض آکر بند ہوگیا تو اگر اسی حالت میں وہ مطلقہ ہوجائے تو احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک اسے تین حیض نہ آجائیں ہو عدت میں ہی رہے گی ظاہر ہے کہ یہ حکم عورت کے لئے نہایت مشقت کا باعث ہے اس لئے علماء نے مشقت کو دفع فرماتے ہوئے امام مالکؒ کے قول پر فتوی دیا کہ ۹ مہینے گذرنے پر اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں ونظیر هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التی بلغت لروية الدم ثلاثة ايام ثم امتد طهرها فانها تبقی فی العدة الیٰ ان تحیض ثلاث حیض وعند مالکؒ تنقضی عدتها بتسعة اشهر وقد قال

فی البزازیة الفتوی فی زماننا علیٰ قول مالکؒ وقال الزاهدی کان بعض اصحابنا یفتون به للضرورة (شامی کراچی ج ۴ ص ۲۹۶) اوراس مسئلہ کی نظیر ممتدہ عورت کی عدت کا مسئلہ ہے یعنی وہ عورت جو تین دن حیض کا خون دیکھنے سے بالغ ہوئی پھر وہ برابر پاک رہنے لگی تو ہمارے یہاں حکم یہ ہے کہ وہ اس وقت تک عدت ہی میں رہے گی جب تک کہ تین حیض نہ آجائیں اور امام مالکؒ کے نزدیک ایسی عورت کی عدت ۹ مہینے میں پوری ہوجائے گی اور فتاوٰی بزازیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فتوی امام مالکؒ کے قول پر ہے اور علامہ زاہدیؒ نے فرمایا کہ ہمارے بعض اصحاب اسی قول پر ضرورۃً فتوی دیا کرتے تھے۔

(۲) دائن اگر اپنے قرضے کی جنس کا مال قرضہ کے بقدر مدیون کے گھر سے چرالے تو اس کی اجازت ہے لیکن اگر خلاف جنس مال چرائے گا تو حنفیہ کے نزدیک اسکی اجازت نہیں ہوگی بلکہ جرم ثابت ہونے پر قطع ید ہوگا جب کہ اس بارے میں امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ دائن مدیون سے اپنے قرضہ کے بقدر ہر طرح کا مال لے سکتا ہے۔ خواہ موافق جنس ہو یا خلاف جنس۔ چونکہ یہاں دائن کے حق کے احیاء کی ضرورت پائی جاتی ہے لہذا متاخرین احناف نے بوقت ضرورت امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور اسی کو مفتیٰ بہ بنایا ہے ملتقی لابحر میں تحریر ہے۔ وان کان دینه نقدا فسرق عرضا قطع خلافا لابی یوسفؒ واطلق الشافعیؒ اخذ خلاف الجنس للمجانسة فی المالیة قال فی المجتبی وهو اوسع فیعمل به عند الضرورة ملتقیٰ الابحر مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۲۶) اور اگر اس کا دین نقد تھا اور اس نے کوئی سامان مقروض سے چرالیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا البتہ اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے اور امام شافعیؒ نے خلاف جنس مال لینے کی بھی اجازت دی ہے کیونکہ مالیت میں مماثلت پائی جارہی ہے اور مجتبیٰ میں فرمایا ہے کہ یہی امام شافعیؒ کا قول اوسع ہے لہذا ضرورت کے وقت اس قول پر عمل کیا جائے گا۔ اور علامہ شامیؒ قہستانی سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں وفیه ایماء الیٰ ان له ان یاخذ من خلاف جنسه عند المجانسة فی المالیة وهو اوسع فیجوز الاخذ به وان لم یکن مذهبنا فان الانسان یعذر فی العمل به عند الضرورة (شامی ج ۴ ص ۹۵) اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دائن مدیون کا خلاف جنس مال بھی (بلا اجازت) لے سکتا ہے بشرطیکہ مالی برابری پائی جائے اور یہ قول زیادہ وسعت کا باعث ہے اور اس قول کو اختیار کرنا درست ہے اگرچہ یہ ہمارا مذہب نہیں ہے کیونکہ انسان ضرورت کے وقت ایسے قول پر عمل کرنے میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

الحیلۃ الناجزہ کے مسائل:

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزہ میں جو مسائل مذہب غیر سے لئے ہیں اس میں اصلا دو الگ الگ مسئلے ہیں اول تو غیر اسلامی ممالک میں جماعت مسلمین کا قاضی کے قائم مقام ہونا ہے اور دوسرے زوجہ مفقود کے بارے میں انتظار کی مدت طے کرنا ہے (جو مالکیہ کے نزدیک عام حالات میں میں مرافعہ کے بعد ۴ سال اور خاص حالت میں کم از کم ایک سال ہے) (دیکھئے الحیلۃ الناجزہ ص ۵۹) ان میں سے پہلا مسئلہ یعنی جماعت مسلمین کا قاضی شرعی کے قائم مقام ہونا ضرورت عامہ میں داخل ہے

جب کہ زوجہ مفقود کا مسئلہ ضرورت خاصہ میں داخل ہے۔ اور اب جب کہ امارت شرعیہ ہند قائم ہونے کے بعد اکثر علماء ہندوستان میں منصب قضاۃ کے جواز کے قائل ہوگئے ہیں تو اب اس معاملہ میں مذہب سے خروج کی کوئی وجہ نہیں رہی بلکہ اب اس امارت کے نصب شدہ قضاۃ ہی فقہ حنفی کے مطابق زوجہ عنین زوجہ مجنون زوجہ متعنت وغیرہ کے مسائل حل کر سکتے ہیں البتہ زوجہ مفقود کیلئے امام مالکؒ کے مذہب پر عمل جاری رہے گا۔ الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ حاجت عامہ عموم بلوٰی اور ضرورت خاصہ کی بنیاد پر ترجیح دلیل کے بغیر دوسرے مذہب پر عمل اور فتوٰی کی گنجائش ہے اسی طرح مجتہد مفتی دلیل کی ترجیح کی بنیاد پر مذہب سے خروج کرنے کا مجاز ہے اور یہ تمام امور قصد محمود کی نشانیاں سمجھی جائیں گی۔

قصد مذموم کی نشانیاں:

اس کے مقابلے میں درج ذیل تین چیزیں خاص طور پر قصد مذموم کی نشانی سمجھی جائیں گی۔

(۱) مفتی مجتہد کا ترجیح دلیل کے بغیر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا یعنی نہ تو وہاں کوئی ضرورت شرعی پائی جاتی ہو اور نہ مجتہد خود دوسرے قول کو راجح سمجھتا ہو پھر بھی دوسرے مذہب کو کسی وجہ سے اختیار کرلے تو یہ ممنوع ہوگا شیخ عبدالغنی نابلسیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ **فانه اذا کان له رأیین فی مسئلة وعمل باحدهما یتعین له ماعمل به وامضاه بالعمل فلا یرجع عنه الیٰ غیره الابترجیح ذلک الغیر** (خلاصة التحقیق ص ۵) اور اگر مجتہد کی کسی مسئلہ میں دو رائیں رہی ہوں اور اس نے ایک رائے پر عمل کرلیا ہو تو عمل کردہ اس کے لئے متعین ہوجاتا ہے اور خود عمل کے ذریعہ وہ اس قول کو نافذ کر دیتا ہے لہذا اس قول سے اس وقت تک رجوع کرنا درست نہ ہوگا جب تک کہ دوسرے قول کی ترجیح نہ ظاہر ہوجائے۔

(۲) قصد مذموم کی دوسری نشانی یہ ہے کہ مفتی غیر مجتہد خواہ مخواہ بلا اہلیت وصلاحیت کے غیر مذہب پر فتوٰی دے لہذا ایسے فتوٰی کا شریعت میں کوئی اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ اسے تو صرف علماء ومشائخ مذہب کی رائے نقل کرنے کا حق ہے۔ اپنی طرف سے رائے دینے کا حق نہیں چہ جائیکہ مذہب سے خروج کا اختیار ہو۔ اصول بزدوی میں تحریر ہے۔ **اجمع العلماء والفقهاء علیٰ ان المفتی یجب ان یکون من اهل الاجتهاد وان لم یکن من اهل الاجتهاد فلا یحل له ان یفتی الا بطریق الحکایة ذکره (یعنی فی الکنز بحواله شمس التحقیق ص ۴)** علماء وفقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مفتی کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے اور اگر وہ خود مجتہد نہ ہو تو اس کے لئے فتوٰی دینا حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ نقل کر کے فتوٰی دے۔

(۳) قصد مذموم کی تیسری بڑی نشانی یہ ہے کہ محض رخصتوں کی تلاش اور شہوت کی تکمیل کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا جائے یہ بھی بالکلیہ ممنوع ہے اور اس بنیاد پر خواہ مجتہد خروج کرے یا غیر مجتہد، کسی کو عدول عن المذہب کی ہرگز اجازت نہ ہوگی جیسا کہ ابتداء میں وضاحت ہوچکی ہے۔